# امتِ مسلمہ کی تقسیم میں زمانہ جاہلیت کے سیاسی اثرات: ابن تیمیہ کے منہج کا خصوصی مطالعہ

# Impact of Pre-Islamic Politics in Divide of Muslim 'Ummah: A Study with Special Reference to the Method of Ibn Taymiyyah

* ضیاء الحق
** ڈاکٹر رشاد احمد سلجوق

## Abstract

*The Qur'ān, while referring to the past nations and destroyed civilizations has clearly presented the idea that 'Nature', or in Islamic terminology "the Will of Allah", does not work blindly and arbitrarily, and there are certain historical reasons leading to every change or revolution which the Qur'ān calls the 'Sunnah of Allah'. The Qur'ānic way of referring to ancient peoples, and their civilizations and of exhorting the faithful to learn a lesson from their history, clearly show that "Islam is a religion essentially history conscious". Ibn Taymiyyah is one of those few Muslim scholars who have fervently foucused upon this subject by adopting a distinct methodology than others on the subject of mushājarāt al-Ṣaḥābah, an important part of Islamic history. According to him, it was the impact of pre-Islamic political practices/theories that caused divide and fragmentation of the Muslim Ummah. This article discusses Ibn Taymiyyah's views and methodology in this regard.*

**Keywords:** Islamic civilization, Qur'ānic principals of describing history, Ibn Taymiyyah methodologyin dealing with *mushājarāt al-Ṣaḥābah*

**تمہید:**

تہذیب انسان کی اجتماعی زندگی کے لیے ایک ایسا گھوارہ ہے جس میں انسانیت پروان چڑھتی ہے، انسان کا تشخص قائم ہوتا ہے، اس کے لیے ترقی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں اور اس کو اپنا کر زندگی کے ہر موڑ پر انسان کامیاب وکامران ہوتا ہے۔ انسانوں کے درمیان خیالات، اقدار، ادارے، تعلقات اور نظام ہائے زندگی یہ سب اس کا نتیجہ ہیں۔

کسی بھی تہذیب کے لیے اس کی زمانہ تاسیس نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور مرحلہ تاسیس میں بنیادی طور پر تہذیبی اصول و اقدار اور تہذیب کے علمبردار دو ایسے بنیادی عناصر ہیں جن پر اس تہذیب کی عمارت قائم ہوتی ہے اور بعد میں آنے والے لوگ ان عناصر کو اپنے لیے نمونہ بنا کر آگے چلتے ہیں یہاں تک کہ ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ تہذیبی اصول واقدار کی طرح تہذیب کے علمبرداروں کے افعال واقوال کو بھی تقدس حاصل ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے تہذیب کے علمبرداروں کے حوالے سے کوئی بھی غلط فہمی بعد میں آنے والوں کے ذہن میں ابہام (Confusion) ڈالتا ہے اور اس تہذیب کی ترقی میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

اسلامی تہذیب کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس تہذیب کے علمبردار تھے، یہ وہ خوش نصیب قافلہ ہے جو اسلامی تہذیب کے قیام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ رہا اور پہلی اسلامی ریاست کے قیام واستحکام میں تاسیسی

---

* پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پشاور۔
** پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پشاور۔

کردار ادا کیا، چنانچہ ان کا ہر قول و فعل بعد کے مسلمانوں کے لیے مقدس تہذیبی ورثہ بن گیا، چونکہ لوگ تہذیب کے علمبرداروں کی ہر چیز میں تقلید کرتے ہیں، اس لیے اگر ایک طرف ان کے ہر درست قدم کو ایک خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے تو دوسری طرف ان کی کوئی بھی مزعومہ لغزش مابعد کے ادوار پر اتنا ہی گہرا اثر ڈالتی ہے۔

اس وجہ سے صدرِ اول میں صحابہ کرام کے مابین جو سیاسی اختلافات رونما ہوئے، ان کے اثرات نے اسلامی تاریخ کے ہر موڑ پر بہت ہی دوررس اثرات مرتب کئے، چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اس قسم کے واقعاتِ فاجعہ کے بعد ہر دور میں مسلمان خلافت وامامت جیسے مسائل میں ایک دوسرے سے دست و گریبان رہے اور یہ سلسلہ آج بھی پوری اسلامی دنیا میں جاری ہے۔ اس قسم کے مشاجرات کو ذکر کرتے ہوئے ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وذلك الشجار بالألسنة والأيدي أصل لما جرى بين الأمة بعد ذلك, فليعتبر العاقل بذلك"[1]

"دراصل یہ زبانی اور ہاتھ کی رنجش بعد میں امت کے درمیان پیش آنے والے واقعات کا آغاز ثابت ہوا، پس عقلمند کو چاہیے کہ وہ اس سے عبرت حاصل کرے"

اگرچہ صحابہ کرام کی حالتِ زندگی پر مسلم سکالرز نے ہر زمانے میں قلم اٹھایا، تاہم ان کی تحریریں عمومی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل و مناقب بیان کرنے پر مرکوز رہیں اور ان کا طریقِ کار صدرِ اول میں پیش آنے والے بعض تلخ واقعات سے پہلو بچانے کی رہی۔ ان حضرات کا مقصد یہ تھا کہ صحابہ کرام کے حوالے سے مخالفین کے من گھڑت باتوں کا جواب دیا جائے۔ اس منہج کا یہ فائدہ تو ہوا کہ اس سے صحابہ کرام کی عظمت دلوں میں جاگزین ہوئی اور معاندین کا رد ہو گیا البتہ علمی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اس منہج نے صحابہ کرام سے بشریت کا لباس اتار کر انہیں ملائکہ کی صف میں کھڑا کر دیا اور صرف ان کی حیاتِ طیبہ کی ایجابی پہلو کو سامنے رکھ کر جذبات کی تسکین ضرور کی تاہم اس سے عبرت کا دروازہ کسی حد تک بند ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ یہ منہج واقعات کی توجیہ کے حوالے سے قرآنی منہج سے مطابقت نہیں رکھتا، قرآن کریم نے عام انسان تو کیا انبیاء علیہم السلام کی تصویر کشی کرتے ہوئے بھی تصویر کے دونوں رخوں کو بیان کیا اور ہر نبی کے بشری تقاضوں کو ملحوظِ نظر رکھا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

"وعصى آدم ربه فغوى"[2]

"اور آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس بہک گیا"

اسی طرح نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

"قال رب إني أعوذ بك أن أسئلك ما ليس بي علم"[3]

"نوح نے کہا میرے پالنہار! میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تجھ سے وہ مانگوں جس کا مجھے علم ہی نہ ہو"

داود علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"وظن داود أن ما فتناه"[4]

"اور (حضرت) داوٗد علیہ السلام سمجھ گئے کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے"

سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

**"ولقد فتنا سلیمان"**[5]

"اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کی آزمائش کی"

یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا:

**"ولقد همت به وهم بها لولا أن رأى برهان ربه"**[6]

"اس عورت نے یوسف کی طرف کا قصد کیا اور یوسف اس کا قصد کرتے اگر وہ اپنے پروردگار کی دلیل نہ دیکھتے"

موسی علیہ السلام کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ:

**"قال رب إني ظلمت نفسي فاغفر لي"**[7]

"پھر دعا کرنے لگا کہ اے پروردگار! میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا، تو مجھے معاف فرما دے"

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا:

**"عبس وتولى أن جاءه الأعمى"**[8]

"وہ ترش رو ہوا اور منہ موڑ لیا۔ (صرف اس لئے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا"

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ:

**"عفا الله عنك لم أذنت لهم"**[9]

"اللہ تجھے معاف فرما دے، تو نے انہیں کیوں اجازت دے دی؟"

ان آیاتِ کریمہ میں غور کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح قرآن نے انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات طیبہ کی مکمل تصویر کشی کی اور تصویر کے کسی بھی جانب کو مبہم نہیں رکھا بلکہ جہاں جہاں ان کی زندگیوں کی ایجابی پہلو کو بیان کیا وہاں سلبی پہلو کو بھی واضح الفاظ میں بتا دیا۔ یہ قرآنی منہج ہمیں اس بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ کسی بھی انسان کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ادھوری بات نہیں کرنی چاہیے، بلکہ ایجابی وسلبی پہلوؤں کو مکمل طور پر بیان کیا جائے تاکہ ان واقعات سے عبرت حاصل کی جاسکے، مسلمان چاہے صحابی ہو یا غیر صحابی اس کی زندگی میں دوسرے مسلمان کے لیے سبق ہوتا ہے اور بسا اوقات کسی واقعہ کی سلبی پہلو سے ایسا سبق حاصل ہوتا ہے جو ایجابی پہلو سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ خود صحابہ کرام کی زندگیوں میں ہمیں اسی منہج کی طرف رہنمائی نظر آتی ہے۔ چنانچہ جنگِ جمل کے واقعہ میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس کی ایک عظیم مثال ہے:

> **"عن عبد الله بن زياد الأسدي قال: لما سار طلحة والزبير وعائشة إلى البصرة بعث علي عمار بن ياسر وحسن بن علي فقدما الكوفة، وصعدا المنبر في أعلاه، وقام عمار أسفل الحسن، فاجتمعنا إليه، فسمعت عمارا يقول: إن عائشة قد سارت إلى البصرة ووالله إنها لزوجة نبيكم صلى الله عليه وسلم في الدنيا والآخرة ولكن الله تبارك وتعالى ابتلاكم ليعلم إياه تطيعون أم هي"**[10]

"عبد اللہ بن زیاد اسدی سے مروی ہے کہ جب حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم بصرہ کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمار بن یاسر اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو کوفہ کی طرف بھیجا، پس وہ دونوں کوفہ پہونچے اور منبر کی آخری سیڑھی پر چڑھ گئے اور عمار حضرت حسن رضی اللہ عنہما سے نیچے کھڑے ہو گئے۔ پس ہم ان کے آس پاس جمع ہوئے، پھر میں نے حضرت عمار کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بے شک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ کی طرف روانہ ہو چکی ہیں، اور اللہ کی قسم! آپ رضی اللہ عنہا دنیا و آخرت میں تمہاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں، لیکن اللہ تبارک وتعالی نے ان کے سلسلے میں تمہیں آزمائش میں ڈالنے کا ارادہ کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تم ان (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کرتے ہو یا ان (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کی مانتے ہو"

دیکھیے! حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے مدِ مقابل ہونے کے باوجود ان کی عظمت کا اقرار کیا تاہم چونکہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف سے متفق نہیں تھے، اس وجہ سے انھوں نے لوگوں کو انہیں واپس بھیجنے کے لیے مشورہ دیا۔ اس واقعہ کی توجیہ کرتے ہوئے ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

**"فقد شهد لها عمار بأنها من أهل الجنة، زوجة رسول الله صلى الله عليه وسلم، ومع هذا دعا الناس إلى دفعها بما يمكن من قتال وغيره"**[11]

"بے شک حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان کے جنتی ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے کی گواہی دی لیکن پھر بھی لوگوں کو انہیں جنگ یا دوسرے طریقوں سے واپس کرنے کی دعوت دی"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو سیاسی اختلافات رونما ہوئے ان کی تحلیل و تجزیہ (Analysis) کے حوالے سے عموماً ماضی میں علماء پہلو بچا کر گزرنے میں عافیت سمجھتے تھے اور رائے و تبصرہ کے اظہار سے گریزاں رہتے کہ مبادا افواہِ قلم سے ایسی بات نہ نکلے جو سوئے ادب کے زمرے میں نہ آئے اور آخرت میں جواب دہی کی ذمہ داری گلے نہ پڑ جائے۔ چنانچہ امام سیوطی ایک طرف شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بیان تو کرتے ہیں مگر تلخ جزئیات کی تفصیل سے پہلو بچاتے ہوئے لکھتے ہیں:

**"وقد وردت في مقتل الحسين قصة طويلة لا يحتمل القلب ذكرها"**[12]

"حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے حوالے سے ایک طویل قصہ مذکور ہے، جس کو ذکر کرنے کی طاقت دل میں نہیں ہے"

اسی طرح امام مسلم اہلِ شام کی مدینہ پر لشکر کشی کے دوران بیت اللہ کی آتش زدگی کا واقعہ میں تفصیل سے اجتناب برتتے ہوئے فرماتے ہیں:

**"عن عطاء بن رباح قال: لما احترق البيت في زمن يزيد بن معاوية حين غزاه أهل الشام، فكان من أمره ما كان"**[13]

"حضرت عطاء بن رباح سے روایت ہے کہ جب یزید بن معاویہ کے زمانے میں بیت اللہ کو آگ لگ گئی۔۔۔ پھر جو کچھ ہوا سو ہوا"

اسی طرح حافظ ابن کثیر شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جاری اختلافات کی جزئیات و تفاصیل میں جائے بغیر کنایات کی زبان میں فرماتے ہیں:

"ثم كان ما كان بينه وبين علي بعد قتل عثمان"[14].

"پھر حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ کچھ ہوا ہوا"

اسی طرح آگے جاکر فرماتے ہیں:

"ثم كان من أمره وأمر أمير المؤمنين علي ما كان"

"اس کے بعد جو کچھ آپ کے درمیان اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ کے درمیان ہوا سو ہوا"

پھر جنگِ صفین کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ثم كان من أمر الفريقين بصفين ما كان"

"پھر فریقین کے درمیان صفین میں جو کچھ ہو گیا سو ہو گیا"

پھر تحکیم کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ثم كان من أمر التحكيم ما كان"[15].

"پھر تحکیم کے مسئلہ پر جو ہو گیا سو ہو گیا"

اسی طرح ابن حجر جنگ جمل کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فأنشبوا الحرب بينهم إلى أن كان ما كان"[16].

"پھر وہ جنگ میں کود پڑے یہاں تک جو کچھ ہوا سو ہوا"

پھر فرماتے ہیں:

" فكان من وقعة الجمل ما اشتهر"

" پس جنگ جمل میں وہی ہوا، جو لوگوں میں مشہور ہے"

جنگ صفین کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"فكان بينهم في صفين بعد الجمل ما كان"[17]

"پس جنگ جمل کے بعد جنگِ صفین میں ان کے مابین جو کچھ ہوا سو ہوا"

صدرِ اول کے سیاسی اور معاشرتی اختلافات کو ذکر کرنے میں ایک منہج وہ ہے جو اہلِ تشیع نے اختیار کیا۔ یہ حضرات اہلِ بیت کی محبت میں اس قدر تشدد اور غلو کا شکار ہوئے کہ انھوں نے تمام غیر اہلِ بیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کے متعلق عمومی طور پر سلبی پہلو کو اختیار کیا اور لغزشیں ہی بیان کرتے رہے۔ ابنِ تیمیہ نے اپنی تالیف "منهاج السنة النبوية في الرد على الشيعة

والقدرية" اور "مجموع الفتاوى" کے ایک بڑے حصے میں اس منہج کو خصوصی طور پر تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور یہ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ساری امت کے لیے محسن قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"كل مؤمن آمن بالله فللصحابة عليه فضل إلى يوم القيامة"[18]

"اللہ پر ایمان رکھنے والے ہر مسلمان کے اوپر قیامت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احسان باقی رہے گا"

اس کے بالمقابل اہلِ سنت میں سے بعض حضرات نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین رونما ہونے والے سیاسی نوعیت کے مسائل کی توجیہ میں بعض منہجی غلطیوں میں پڑ گئے، اس منہج کا سر خیل ابن عربی ہے اور بعد میں آپ کے شاگرد محب الدین الخطیب نے اسی منہج کو اختیار کیا۔ اس منہج میں اکثر دفعہ مخالفین کو خاموش کرنے کے لیے بعض حقائق کا انکار کیا گیا ہے مثال کے طور پر محب الدین الخطیب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وبيعة علي هذه (يعنى بعد ستة شهور من بدء خلافة الصديق) هي الثانية بعد الأولى في سقيفة بني ساعدة"[19]

"سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت شروع ہونے کے چھ ماہ بعد) یہ دوسری بیعت تھی"

حالانکہ یہ موقف صحیحین میں وارد حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے منطوق کے مخالف ہے۔ جس کے الفاظ اس طرح ہیں:

"فلما توفيت استنكر علي وجوه الناس فالتمس مصالحة أبي بكر ومبايعته ولم يكن بايع تلك الأشهر"[20]

"جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں میں اجنبیت محسوس کی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ کے ساتھ مصالحت اور بیعت کا ارادہ فرمایا اور آپ نے ان مہینوں میں بیعت نہیں کی تھی"

عجیب بات یہ ہے کہ خطیب نے اس حدیث کے ایک جزء کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا اور "فالتمس مصالحة أبي بكر ومبايعته" کہہ کر خاموش ہو گیا اور اس سے اگلہ جملہ "ولم يكن بايع تلك الأشهر" کو اس لیے ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ یہ ان کے طے شدہ منہج کے مخالف تھا۔

ابن عربی اور خطیب دراصل اس وجہ سے ان تکلفات کا شکار ہوئے کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ چھ ماہ تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے باز رہے تو اس صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر سے لوگوں کا اعتبار اٹھ جائے گا حالانکہ اس واقعہ میں اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن تیمیہ اس واقعہ کی بلا جھجک توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"كان يريد الإمرة لنفسه"[21]

"حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے لیے امارت کے خواہش مند تھے"

اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"كان قد استشرف إلى أن يكون هو أميرا من جهة الأنصار، فلم يحصل له ذلك، فبقي في نفسه بقية هوى"[22]

"آپ اس نیت سے سامنے آئے تھے کہ انصار کی طرف سے امیر مقرر ہو جائے، چنانچہ اس میں کامیابی نہ ملی، چنانچہ ان کے دل میں کچھ خواہش رہ گئی"

ابن تیمیہ جیسا شخص جس نے اپنی پوری زندگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے اور ان کا دفاع کرتے ہوئے گزاری تو کیا اس توجیہ کے بعد اب بھی یہ کہا جائے گا کہ ابن تیمیہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کوئی اعتماد نہیں تھا؟ یا وہ امت میں انتشار پھیلانا چاہتے تھے؟

اگر تھوڑا بھی غور کیا جائے تو یہ واقعہ بھی چیخ چیخ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کو بیان کر رہا ہے چنانچہ ایک طرف یہ واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت کو بتا رہا ہے کہ کس طرح نے انھوں نے حق کی طرف رجوع کرتے ہوئے اپنے ذاتی انا کی قربانی دی اور دوسری طرف امیر المومنین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو اس معاملہ میں بالکل حق بجانب تھے، پھر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت اور خاندانی عظمت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ چنانچہ امام قرطبی اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عرف أن بعضهم كان يعترف بفضل الآخر وأن قلوبهم كانت متفقة على الاحترام والمحبة وإن كا الطبع البشري قد يغلب أحيانا لكن الديانة ترد ذلك, والله الموفق"[23]

"اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرات ایک دوسرے کے مراتب کے معترف تھے اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت و احترام جاگزین تھی، اگرچہ کبھی کبھی انسانی مزاج غالب آجاتا، لیکن دینداری سے اس پر غلبہ حاصل ہو جاتا"

ان چند مثالوں سے یہ اندازہ ہوا کہ ابن عربی گو کہ اونچے درجے کے قاضی اور امام تھے تاہم صدرِ اول کے سیاسی اختلافات کے حوالے سے ابن عربی کا منہج بھی انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اور یہ بات ضروری ہے کہ ابن عربی بطورِ قاضی ہی ہمارے لیے قابلِ تقلید رہے نہ کہ ابن عربی بطور متکلم۔ والله من وراء القصد.

**ابن تیمیہ کا منہج:**

ابن تیمیہ کی نظر میں ان تلخ واقعات اور ان کے نتیجے میں امتِ مسلمہ میں افتراق و انتشار کے پیچھے زمانہ جاہلیت کے سیاسی و معاشراتی اثرات بہت حد تک کار فرما تھے، زیرِ نظر مضمون میں اس مفروضے کا علمی و تحقیقی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے:

اسی حوالے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ صدرِ اول کے سیاسی و معاشرتی اختلافات کے حوالے سے جو سب سے زیادہ معتدل اور قرآنی منہج کے قریب ترین منہج ہے۔ وہ ابن تیمیہ کا ہے۔ آپ وہ واحد شخص ہیں جنہوں نے سب سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین ہونے والے سیاسی اختلافات پر تحقیقی اور تجزیاتی بنیادوں پر قلم اٹھایا، اس کی مثال آپ کی ۹ جلدوں پر مشتمل معرکۃ الآراء کتاب "منهاج السنة النبوية" اور متعدد جلدوں پر مشتمل "الفتاوی" ہیں، جنہیں ابن تیمیہ نے خصوصی طور پر ان مسائل کو بیان کرنے کے لیے تالیف کیا۔ ابن تیمیہ کی منہج کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب ہو گا کہ امام ابنِ تیمیہ کی شخصیت اور علمی منزلت کا مختصر التعارف کیا جائے۔

**ابن تیمیہ کا مختصر تعارف:**

آپ کا پورا نام شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام ابن تیمیہ حرانی، کنیت ابو العباس اور لقب تقی الدین تھا۔ آپ فقہ حنبلی کے اصول و فروع کے عظیم مجتہد تھے[24]۔ آپ کی ولادت دس ربیع الاول بروزِ پیر سن ٦٦١ ہجری کو حران[25] میں ہوئی۔

آپ خاندان آلِ تیمیہ کے چشم و چراغ تھے جو علم و فضل میں مشہور مقام رکھتے تھے۔ آپ کے دادا فقہ حنبلی کے مشہور امام تھے، اسی طرح آپ کے والد بھی علم و فضل میں مرتبہ کمال کو پہونچے ہوئے تھے۔ بچپن ہی میں قرآنِ پاک حفظ کیا، اس کے بعد صحاحِ ستہ اور دوسرے منابعِ حدیث کا مطالعہ شروع کیا اور حدیث میں جو سب سے پہلی کتاب آپ نے زبانی یاد کی وہ امام حمیدی کی "**الجمع بین الصحین**" تھی[26]۔ پھر علم فقہ، اصولِ فقہ عربی زبان، علم میراث، ریاضی، الجبرا اور دوسرے علوم میں مہارت حاصل کی، اس کے بعد جب علمِ تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئے، پھر علمِ کلام کی طرف آئے اور علمِ کلام کے مشہور فلاسفہ کے ساتھ اہم مسائل میں بحث و مناظرہ شروع کیا درآنحالیکہ آپ کی عمر لگ بھگ اٹھارہ انیس سال کی تھی[27]۔

آپ کمال کے قوتِ حافظہ کے مالک تھے ابن کثیر کہتے ہیں:

> "**قل أن سمع شيئا الا حفظه و كان ذكيا كثير المحفوظ**"[28]
>
> "بہت کم ایسا ہوا کہ آپ نے کوئی چیز سنی اور انہیں زبانی یاد نہ ہوئی، آپ بہت ہی ذہین اور بہت چیزوں کو یاد کرنے والے تھے"

علم تفسیر میں آپ کو بہت زیادہ مہارت حاصل تھی، حافظ ذہبی آپ کی تفسیری مہارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "**وله في استحضار الآيات من القرآن وقت إقامة الدليل بها على المسألة قوة عجيبة، كما يبين خطأ كثير من أقوال المفسرين ويوهي أقوالا عديدة وينصر قولا واحدا موافقا لما دل عليه القرأن والسنة**"[29].
>
> "آپ کو کسی مسئلہ پر قرآن سے استدلال کرتے وقت آیت کریمہ کو پیش کرنے کے حوالے سے عجیب قسم کا ملکہ حاصل تھا، آپ بہت سے مفسرین کے اقوال کو ضعیف قرار دیتے اور قرآن و سنت کی رو سے صرف ایک قول کو ترجیح دیتے"

اور علمِ حدیث میں آپ کی مہارت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> "**لقد كان عجبا في معرفة علم الحديث، فأما حفظه للمتون والصحاح وغالب متون السنن فما رأيت ما يدانيه في ذلك أصلا**"[30].
>
> "آپ علم حدیث کی معرفت میں بڑے نرالے تھے، جہاں تک صحاحِ ستہ اور اکثر سنن کے متون کے حفظ کا تعلق ہے تو میرے خیال میں اس میں کوئی بھی آپ کا ہم پلہ نہیں ہے"

اس کے علاوہ آپ معقولات کے بھی امام تھے، طبقات میں لکھا ہے کہ:

> "**كان يحضر المدارس والمحافل في صغره فيتكلم ويناظر ويفحم الكبار**"[31]
>
> "آپ بچپن میں مدارس اور علمی محفلوں میں شرکت کرتے اور مناظرہ و گفتگو کر کے بڑوں کو بھی خاموش کر دیتے"

ایک مرتبہ فقہ شافعی کے مشہور امام صدر الدین الوکیل سے جب آپ کا مناظرہ ہوا تو ان سے فرمانے لگے:

"یاصدر الدین! أنا أنقل في مذهب الشافعي أكثر منك"[32]

"اے صدر الدین! میں مذہبی شافعی کو آپ سے زیادہ نقل کرتا جارہا ہوں، مطلب یہ ہے کہ مجھے آپ سے زیادہ آپ کے مذہب کا مطالعہ ہے"

**ابن تیمیہ کے منہج کا تفصیلی جائزہ:**

قرونِ اولی کے سیاسی و معاشرتی اختلافات کے حوالے سے ابن تیمیہ کا منہج ایسی چند خصوصیات کا حامل ہے، جن کی بدولت یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان اختلافات پر بحث کرتے ہوئے اب بھی اگر اسی منہج پر عمل کیا جائے، تو مسلمانوں کے صفوں کی شیرازہ بندی کی جاسکتی ہے۔ ذیل میں ابن تیمیہ کے منہج کی چند خصوصیات پیش کی جارہی ہیں:

**پہلی خصوصیت:**

امام تیمیہ کی منہج کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین باہمی اختلاف رائے کو ذکر کرتے ہوئے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ کی عظمت کو مد نظر رکھتے ہیں وہاں اسلامی اصول واقدار کو اشخاص پر مقدم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی وہ مسئلہ ہے، جس میں اکثر اہلِ علم پھسل گئے، یا تو انھوں نے صرف اسلامی اصول و اقدار کو مد نظر رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزامات لگادیئے یا اشخاص کو مقدم رکھ کر اقدار کو پس پشت ڈال دیا۔ اسی طرح ابن تیمیہ مخالفین پر رد کرتے ہوئے بھی تشدد اور غلو سے کام نہیں لیتے بلکہ حقائق کو سامنے رکھ کر گفتگو کرتے ہیں. چنانچہ لکھتے ہیں:

**"و من سلك طريق الاعتدال عظم من يستحق التعظيم و أحبه و والاه, و أعطى الحق حقه, فيعظم الحق, و يرحم الخلق, و يعلم أن الرجل الواحد تكون له حسنات و سيئات فيحمد و يذم و يثاب و يعاقب و يحب من وجه و يبغض من وجه"**[33]

"جو شخص اعتدال کے راستے پر چلتا ہے تو تعظیم کے مستحق شخص کی تعظیم کرتا ہے اور اس سے محبت وعقیدت رکھتا ہے۔ پس وہ حق کو مقدم رکھتا ہے اور مخلوق پر رحم کرتا ہے اور یہ جان لیتا ہے کہ ایک شخص سے نیکیاں اور بدیاں دونوں صادر ہوسکتے ہیں، پس وہ قابلِ تعریف بھی ہوسکتا ہے اور قابل مذمت بھی اور جزاوسزا دونوں کا مستحق بن سکتا ہے اور ایک لحاظ سے قابلِ محبت اور دوسرے لحاظ سے قابلِ نفرت ہوسکتا ہے"

**دوسری خصوصیت:**

ابنِ تیمیہ کے منہج کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ دوسرے تمام مناہج کے برعکس آپ کا منہج خلافت وملوکیت میں تمیز کے فلسفہ پر قائم ہے یعنی ابنِ تیمیہ کے ہاں خلافت سے بتدریج ملوکیت کی طرف انتقال ہوا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

**"أن خبره صلى الله عليه و سلم بانقضاء خلافة النبوة فيه الذم للملك و العيب له".[34] و أن الملك متضمن ترك بعض الدين الواجب"**[35]

"منہاجِ نبوی علیہ السلام پر قائم خلافت کے زمانہ کے ختم ہونے کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی میں ملوکیت کی مذمت ہے اور یہ کہ ملوکیت دین کے بعض واجبات کو ترک کرنے کو متضمن ہے"

اسی منہج پر چلتے ہوئے ابن تیمیہ نے وراثتی بنیادوں پر خلافت کی منتقلی کے عمل کو مسترد کر دیا اور یہی وہ چیز ہے جو اقدار و اشخاص اور وحی و تاریخ میں تمیز کو واضح کرتی ہے۔

## تیسری خصوصیت:

آپ کے منہج کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ علم اور عدل کی بنیادوں پر قائم ہے۔ چنانچہ آپ نے ان معاملات میں گفتگو کرنے کے لیے علم وعدل کو بنیادی شرط قرار دیا۔ ابن تیمیہ نے مشاجراتِ صحابہ کو اعتقادی مسئلہ قرار دینے کی بجائے پرزور الفاظ میں یہ واضح کر دیا کہ دراصل یہ معاملہ اعتقاد سے متعلق نہیں ہے بلکہ علم وعدل پر قائم رہ کر اگر اس میں بحث کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

"إن أمكن الكلام بينهما بعلم وعدل وإلا تكلم بما يعلم من فضلهما ودينهما وكان ماشجر بينهما وتنازعافيه فأمره إلى الله"[36]

"اگر علم وعدل کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس مسئلہ میں بات کی جائے تو ٹھیک ہے ورنہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل اور دینداری کو بیان کیا جائے اور جو کچھ تلخیاں اور جھگڑے ان کے مابین رونما ہوئے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کیا جائے"

اسی طرح اختلافی مسائل میں مکالمہ (ڈائیلاگ) کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"وتلك هي المناظرة العادلة التي يتكلم فيها الإنسان بعلم وعدل لا بجهل وظلم"[37]

"اور یہ عدل پر مبنی مناظرہ ہے کہ انسان علم وعدل کو سامنے رکھ کر گفتگو کرے نہ جہالت وزیادتی پر اتر آتے"

چنانچہ جو لوگ ان کے معاملے میں علم وعدل کے پیمانوں پر پورا نہیں اترتے تو آپ انہیں بدعتیوں کے زمرے میں شامل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والكلام في الناس يجب أن يكون بعلم وعدل لا بجهل وظلم كحال أهل البدع"[38]

"لوگوں کے بارے میں گفتگو ہمیشہ علم وعدل کی بنیاد پر ہونی چاہیے اور اہلِ بدعت کی طرح جہالت وظلم کی بنیاد پر نہیں ہونی چاہیے"

## چوتھی خصوصیت:

ابن تیمیہ کے منہج کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ یہ منہج تاصیلی اور تاریخی منہج میں تمیز کے مفروضے پر قائم ہے۔ دراصل صحابہ کرام کے مابین ہونے والے سیاسی اختلافات کی توجیہ میں تاریخی اور تاصیلی منہج کے اختلاط نے معاملہ کو بھی ہی پیچیدہ بنا دیا اور ان مسائل میں قلم اٹھانے والوں میں اکثر حضرات اس بات کو سمجھنے سے عاجز رہے کہ تاصیلی منہج کا منبع اصول واقدار ہوا کرتے ہیں چنانچہ ان اصول واقدار کو سامنے رکھ کر لوگوں کا محاسبہ کیا جاتا ہے۔ تاصیلی منہج لوگوں کو اصول ومبادی سے تجاوز کرنے سے روکتا ہے اور دوسری طرف تاریخی منہج کا منبع انسانی تجربہ ہے۔ جس کا مقصد اسلام کے برگزیدہ ہستیوں کا دفاع کرنا ہوتا ہے اور یہ برگزیدہ ہستیاں انہی اصول واقدار سے اپنا تشخص قائم کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ کسی بھی شخصیت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے ان دونوں منہجوں میں تمیز کرنا نہایت ضروری ہے، مثال کے طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے حوالے سے جو دو متضاد موقف اس وقت پائے جاتے ہیں، وہ دراصل ان دو مختلف منہجوں پر قائم کیے گئے ہیں، چنانچہ جو لوگ تاریخی منہج پر چلتے ہیں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو ان کے بعد آنے والے بادشاہوں پر قیاس کرتے ہیں، چنانچہ وہ ان کا دفاع کرتے ہیں اور

یہ موقف اس لحاظ سے بالکل درست ہے ، کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور ان تمام بادشاہوں سے افضل ترین دور تھا۔ دوسری طرف جو لوگ تاصیلی منہج پر عمل پیرا ہیں وہ اصول واقدار کو مد نظر رکھ کر ان کی شخصیت کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کے دور کا خلافت راشدہ کے دور سے موازنہ کرتے ہیں، پھر وہ لوگ ان پر تنقید کرنا شروع کرتے ہیں اور یہ موقف بھی اسی منہج کے اعتبار سے درست ہے کیونکہ ان کے دور میں بعض ایسی چیزیں رونما ہوئیں جن کا خلافتِ راشدہ کے دور میں تصور نہیں تھا۔

چنانچہ ابن تیمیہ حضرت معاویہ رضی اللہ کی شخصیت کے حوالے سے تاریخی اور تاصیلی منہج کو سامنے رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

**"لم يكن من ملوك المسلمين خير من معاوية، ولا كان الناس في زمان ملك من الملوك خير منهم في زمان معاوية إذا نسبت أيامه إلى أيام ما بعده وأما إذا نسبت أيامه إلى أيام أبي بكر وعمر ظهر التفاضل ومعاوية۔ على ذنوبه۔ لم يأت بعده مثله ملك"**[39]

"مسلمان بادشاہوں میں کوئی بھی معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں ہے، اسی طرح اگر ان کے دور کا بعد کے ادوار سے موازنہ کیا جائے تو کسی بادشاہ کے زمانے کے لوگ معاویہ رضی اللہ کے زمانے کے لوگوں سے بہتر نہیں ہو سکتے اور اگر ان کے دور حکومت کو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ کے دور خلافت سے موازنہ کیا جائے ، تو ایک کا دوسرے پر فضیلت پانا متحقق ہو جائے گا۔ باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چند لغزشوں کے ان کے بعد ان جیسا کوئی حکمران نہیں آیا"

اس توجیہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابنِ تیمیہ کا منہج تاریخی اور تاصیلی مناہج کے درمیان تمیز کے فلسفہ پر قائم ہے۔

## پانچویں خصوصیت:

ابن تیمیہ کے منہج کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ یہ منہج صدرِ اول میں ہونے والے سیاسی ومعاشرتی اختلافات کے حوالے سے زمانہ جاہلیت کے سیاسی اور قبائلی اثرات کے وجود کو اسلامی معاشرہ میں تسلیم کرتا ہے۔

چنانچہ آپ نے صدرِ اول کے بعض واقعات کو زمانہ جاہلیت کے معاشرتی اور سیاسی اثرات سے تعبیر فرمایا ہے، جس کی کچھ تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

1. چونکہ سقیفہ بنی ساعدہ میں بنو عبد مناف کے بعض شیوخ مثلاً ابو سفیان اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہما نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اس لیے اعتراض فرمایا تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ تیم سے تھا۔ حالانکہ زمانہ جاہلیت میں سرداری قریش کے عبد مناف قبیلہ میں چلی آرہی تھی۔ اس کی توجیہ میں ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

**'ولا يستريب عاقل أن العرب ـ قريشا وغير قريش ـ كانت تدين لبني عبد مناف وتعظمهم أعظم مما يعظمون بني تيم وبني عدي..... ولهذا جاء أبو سفيان إلي علي فقال: أرضيتم أن يكون هذا الأمر فى بني تيم؟ فقال: يا أبا سفيان! إن أمر الإسلام ليس كأمر الجاهلية أو كما قال"**[40]

"اس میں کوئی معقول شخص شک نہیں کر سکتا کہ عرب کے لوگ چاہے قریش ہوں یا غیر قریش بنی تیم اور بنی عدی سے بڑھ کر بنی عبد مناف کے سرداری کے قائل تھے۔۔۔۔ اس وجہ سے حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے: کیا آپ اس بات پر راضی ہیں کہ یہ امر خلافت

بنی تیم کے پاس چلی جائے ؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوسفیان: اسلام کا معاملہ جاہلیت کے معاملے کی طرح نہیں ہے یا اس سے ملتا جلتا کوئی جملہ ارشاد فرمایا"

اس واقعہ کی توجیہ کرتے ہوئے ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

**"وأبو سفيان كان فيه بقايا من جاهلية العرب، يكره أن يتولى على الناس رجل من غير قبيلته، وأحب أن تكون الولاية في عبد مناف. وكذلك خالد بن سعيد كان غائبا، فلما قدم تكلم مع عثمان وعلي، وقال: أرضيتم أن يخرج الأمر عن بني عبد مناف"**[41]

"یعنی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ذہن میں زمانہ جاہلیت کے کچھ اثرات باقی تھے، وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگوں پر ان کے قبیلے کے علاوہ کوئی دوسرا شخص امیر بن جائے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ خلافت عبد مناف میں ہی باقی رہے، اسی طرح حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ جو کہ ﴿بیعت کے وقت﴾ موجود نہیں تھے۔ چنانچہ جب تشریف لائے، تو انہوں نے حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ یہ امر خلافت عبد مناف کے ہاتھوں سے چلی جائے"

2. بعض حضرات کا یہ خیال تھا کہ امر خلافت خاندان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں باقی رہے۔ ان کے بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

**"... وإنما قال من فيه أثر جاهلية عربية فارسية: إن بيت الرسول صلى الله عليه وسلم أحق بالولاية، لكون العرب كانت في جاهليتها تقدم أهل البيت الرؤساء، وكذلك الفرس كانوا يقدمون أهل بيت الملك. فنقل عمن نقل عنه كلام يشير به إلى هذا، كما نقل عن أبي سفيان وصاحب هذا الرأي لم يكن له غرض في علي، بل كان العباس عنده-بحكم رأيه-أولى من علي، وإن قدر أنه رجح عليا، فلعلمه بأن الإسلام يقدم الإيمان والتقوى على النسب، فأراد أن يجمع بين حكم الجاهلية وحكم الإسلام. فأما الذين كانوا لا يحكمون إلا بحكم الإسلام المحض-وهو التقديم بالإيمان والتقوى-فلم يختلف منهم إثنان في أبي بكر"**[42]

"جو لوگ عرب یا فارسی جاہلیت کے اثرات کے ماتحت تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ خلافت کے حقدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت ہیں، وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ رئیس زادوں کو مقدم رکھتے تھے، اسی طرح اہلِ فارس شاہی خاندان کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض لوگوں سے ایسی باتیں منقول ہوئی جو اس موقف کا شاخسانہ تھیں جیسا کہ ابوسفیان کی بابت منقول ہے۔ ایسے موقف رکھنے والے حضرات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی کوئی غرض نہیں تھی، بلکہ ان کے نزدیک حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ حقدار تھے۔ اگرچہ فی الواقع انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی، چنانچہ ان کو معلوم تھا کہ اسلام ایمان و تقوی کو خاندانی حسب نسب پر فوقیت دیتا ہے، اس لیے انھوں نے خلیفہ کی تعیین کے لیے اسلامی اور جاہلی اقدار کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اور وہ حضرات جو ایمان و تقوی کی بنیاد پر محض اسلامی معیار کے مطابق فیصلہ چاہتے تھے تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں دورائے نہیں رکھتے تھے"

3. بعض حضرات وہ تھے جو اپنے قبیلے کے لیے تھوڑے ہمدردانہ جذبات رکھتے تھے جیسا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ واقعہ افک کے دوران وہ عبداللہ بن ابی کے لیے خاندانی قربت کی وجہ سے نرم گوشہ رکھتے

تھے حالانکہ عبد اللہ بن ابی براہ راست اہل بیت کی شان میں گستاخی پر اتر آئے تھے، ابن تیمیہ ان جیسے واقعات کی توجیہ میں فرماتے ہیں:

"وقد عرف نفاق جماعة من الأوس والخزرج كعبد الله بن أبي بن سلول وأمثاله، ومع هذا كان المؤمنون يتعصبون لهم أحيانا، كما تعصب سعد بن عبادة لابن أبي بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال لسعد بن معاذ: "والله لا تقتله، ولا تقدر على قتله"[43]

"اوس اور خزرج کے بعض لوگوں جیسے عبد اللہ بن ابی بن سلول وغیرہ کا نفاق معروف ہے، لیکن اس کے باوجود بعض دفعہ مومنین ان کے معاملے میں تعصب سے کام لیتے تھے۔ جیسا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابن ابی کے معاملے میں متعصبانہ رویہ اختیار فرمایا اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اللہ کی قسم! تو اس کو (ابن ابی) کو قتل نہیں کر سکتا اور نہ ہی تو اس کے قتل پر قدرت رکھتا ہے"

ابن تیمیہ اس قسم کے تمام واقعات کی عمومی توجیہ کرتے ہوئے انہیں زمانہ جاہلیت کا سیاسی اور معاشرتی ورثہ قرار دیتے ہیں جو اسلامی معاشرہ میں منتقل ہوا، تاکہ قریش اور انصار میں سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلافت کے جملہ معترضین اس توجیہ کے ضمن میں آجائیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

"ففي الجملة جميع من نقل عنه من الأنصار وبني عبد مناف أنه طلب تولية غير أبي بكر لم يذكر حجة دينية شرعية، ولا ذكر أن غير أبي بكر أحق وأفضل من أبي بكر. وإنما نشأ كلامه عن حب لقومه وقبيلته، وإرادة منه أن تكون الامامة في قبيلته. ومعلوم أن مثل هذا ليس من الأدلة الشرعية والطرق الدينية، ولا هو مما أمر الله ورسوله المؤمنين باتباعه، بل هو شعبة جاهلية، ونوع عصبية للأنساب والقبائل، وهذا مما بعث الله محمدا صلى الله عليه وسلم بهجره وإبطاله"[44].

"پس انصار اور عبدِ مناف کے وہ تمام حضرات جن سے حضرت ابو بکر کے علاوہ کو خلیفہ بنانے کی بابت منقول ہے، وہ تمام حضرات اس معاملہ میں کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کرتے اور نہ ہی اس بات پر کوئی شرعی حجت قائم کرتے ہیں کہ کوئی دوسرا شخص ابو بکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ افضل ہے، پس ان کی تمام باتیں اپنی قوم وقبیلہ کی حمایت کے عنصر کی وجہ سے تھیں اور اس بات کی غماز تھیں کہ خلافت ان کے قبیلہ میں رہے۔ ظاہر ہے، اس قسم کی چیزیں شرعی اور دینی لحاظ سے درست نہیں اور نہ ہی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ یہ ایک قسم کی جاہلیت اور حسب نسب کی تمیز اور قبائلی تعصب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی چیزوں کو مٹانے کی غرض سے مبعوث ہوئے تھے"

## نتائج بحث:

1. صدرِ اول کے سیاسی ومعاشرتی اختلافات کے حوالے سے مسلم سکالرز کے مناہج مختلف رہے، جس کے براہِ راست اثرات باہمی اختلافات کی شکل میں مسلم معاشرہ پر مرتب ہوئے۔
2. علماء کی ایک بڑی جماعت خصوصا محدثین نے مشاجرات صحابہ کو اعتقادی مسئلہ کے زمرے میں شامل کیا اور "منہج کان ماکان" پر عمل پیرا رہے، جس کی وجہ سے صدرِ اول میں پیش آنے والے بعض واقعات کے حوالے سے مسلم معاشروں میں کنفیوژن پیدا ہوا۔

3. اہلِ تشیع نے تاصیلی منہج کو بنیاد بنا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب اور فضائل کا انکار کیا، جس کے جواب میں اہلِ سنت میں سے ابن عربی اور خطیب وغیرہ نے تاریخی منہج کو اختیار کر کے بعض مسائل میں تشدد کا راستہ اختیار کیا اور بعض حقائق کا انکار کیا۔

4. امام ابنِ تیمیہ نے سب سے زیادہ صدرِ اول کے سیاسی و معاشرتی مسائل پر قلم اٹھایا اور آپ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے واقعات کی توجیہ میں تاریخی اور تاصیلی منہج میں فرق کو ملحوظ رکھا۔

5. صدرِ اول کے سیاسی اختلافات کی توجیہ میں ابن تیمیہ نے علم وعدل کی بنیاد پر مقدمات ترتیب دیئے اور اصول واقدار اور اشخاص کو اپنے اپنے مقام پر رکھا۔

6. آپ اہلِ سنت میں واحد شخصیت ہیں، جنہوں نے صدرِ اول میں پیش آنے والے واقعات میں سیاسی اور قبائلی عنصر کو ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کیا۔

7. قرونِ اولی میں پیش آنے والے اختلافات کی توجیہ کے حوالے سے اگر ابن تیمیہ کے منہج کو اختیار کیا جائے تو آج بھی امتِ مسلمہ کے صفوں کی شیرازہ بندی ہو سکتی ہے اور خصوصا اہلِ سنت اور شیعہ حضرات کے درمیان ڈائیلاگ کے لیے ایک بنیاد فراہم کی جاسکتی ہے۔

## حواشی وحوالہ جات:

[1] ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاوی، ج ۳۵، ص: ۵۱، تحقیق: عبد الرحمن بن محمد بن قاسم النجدی، ط: الرئاسۃ العامۃ لشؤون الحرمین الشریفین، سعودی عرب۔ ۱۹۹۱

[2] طہ، ۱۲۱

[3] ہود، ۴۷

[4] ص، ۲۴

[5] ص، ۳۴

[6] یوسف، ۲۴

[7] قصص، ۱٦

[8] عبس، ۱۔ ۲

[9] توبہ، ۴۳

[10] بخاری: ج٦، حدیث: ۲٦۰۰

[11] منہاج السنۃ: ج٦، ص۲۵۸

[12] السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء ص: ۱۲۵، ط۔ وزارۃ الاوقاف والشؤون القطریۃ, ۱۹۹۱

[13] مسلم بن الحجاج أبو الحسین، القشیري النیسابوري، صحیح مسلم، ج ۲، ص: ۹۷۰، تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحیاء التراث العربي، بیروت، ۱۹۹۱

[14] ابن کثیر، عماد الدین، البدایۃ والنھایۃ، ج8، ص ترتیب وار: ۱۲٦، ۱۱۹، ۱۲۹، ۱۱۹

[15] ابن کثیر، عماد الدین، جامع المسانید والسنن، ج ۱۱، ص: ۵٦۸، تحقیق؛ عبد المالک بن عبد اللہ، ط: دار خضر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ۱۹۹۸

[16] ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری، ج ۱۳، ص: ۵٦، تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقی، محب الدین الخطیب، دار المعرفۃ، بیروت ۱۹۹۲

[17] ابن حجر، احمد بن علی، تہذیب التہذیب ج۷، ص: ۲۹۴، ط: دائرۃ المعارف النظامیۃ، انڈیا، ۱۳۲۵ھ

[18] منہاج السنۃ، ج۶، ص: ۳۷۶

[19] العواصم من القواصم، ص۵۵، حاشیہ نمبر ۱۵،

[20] البخاري، محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح المختصر (صحیح البخاري) ج۴، حدیث ۱۵۴۹، تحقیق: مصطفی دیب البغا، دار ابن کثیر، الیمامۃ، ۱۹۸۷، مسلم بن الحجاج أبو الحسین، القشیري النیسابوري، صحیح مسلم، ج۳، حدیث ۱۳۸۰، تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحیاء التراث العربي، بیروت، ۱۹۹۱، ابن حبان، محمد، صحیح ابن حبان، تحقیق: الشیخ شعیب الأرنوؤط، ج۱۱، ص۱۵۳، ط: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۹۳

[21] ابن تیمیہ۔ احمد بن الحلیم، منہاج السنۃ النبویۃ، ج۷، ص: ۴۵۰، تحقیق: محمد رشاد سالم، ط: موسسہ قرطبۃ، بیروت، ۱۴۰۶ھ

[22] سابقہ مصدر: ج۸، ص ۳۳۵

[23] فتح الباری ج۷، ص: ۴۹۴

[24] الذہبی، محمد، تذکرۃ الحفاظ: ج۴، ص۱۴۹۶۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹، ابن رجب، عبد الرحمن، الذیل علی طبقات الحنابلہ، ج۲ ص ۳۸۷، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، بغدادی، خیر الدین، جلاء العینین ص: 71، مطبعۃ المدنی، ۱۴۰۱۔

[25] حران ترکی کے شمال مشرق میں ایک تاریخی شہر ہے، جس کی طرف بہت سارے اہلِ علم منسوب ہیں، جن میں ایک ابن تیمیہ بھی ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، معجم البلدان، ج۲، ص۲۳۵

[26] ابن مفلح، برہان الدین ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ بن محمد، المقصد الارشد فی ذکر اصحاب الامام احمد، ج۱، ص۱۳۳، تحقیق: عبد الرحمن بن سلیمان العثیمین، ط: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع۔ الریاض۔ ۱۹۹۰

[27] ابن عابدین، محمد، العقود الدرریۃ من مناقب شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، ص۳، تحقیق: طلعت بن فؤاد الحلوانی، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۲، المقصد الارشد، ج۱، ص۱۳۳، دارالمعرفہ، بیروت، ط۲، ص ۱۲۵۲

[28] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۱۳، ص۵۵۴، دارالریان، قاہرہ، مصر، ۱۴۰۸

[29] ابن رجب، عبد الرحمن بن سلیمان، الذیل علی طبقات الحنابلہ، ج۲، ص ۳۲۳ ط: مکتبۃ العبیکان، ریاض۔ ۲۰۰۵

[30] سابقہ مرجع، ج۲، ص ۲۴۲

[31] ابن عبد الہادی، طبقات علماء الحدیث، ص۱۸۹، تحقیق: اکرم البوشی۔ ابراہیم الزیبق، دار صادر، بیروت۔ ۱۹۹۹

[32] ابن خلکان، وفیات الاعیان، ، ج۲، ص۱۶، دار صادر بیروت، ۱۹۹۲

[33] منہاج السنہ ج۴، ص: ۵۴۴

[34] مجموع الفتاوی، ج۳۵، ص: ۲۱

[35] سابقہ مصدر۔ ج۳۵، ص: ۲۴

[36] منہاج السنہ، ج۳۳، ص: ۲۵۴

[37] سابقہ مرجع: ج۲، ص: ۳۴۳

[38] سابقہ مرجع: ج۴ ص: ۳۳۷

[39] سابقہ مرجع: ج۶، ص ۲۳۲

[40] سابقہ مرجع: ج، ۴، ص۔ ۳۵۹ - ۳۶۰

[41] سابقہ مرجع: ، ج6 ص، ۱۶۸

[42] سابقہ مرجع ج، ۶، ص، ۴۵۶

[43] مسلم، ج، ۴، حدیث: ۲۱۳۴, ابن حبان، محمد، صحیح ابن حبان، تحقیق: الشیخ شعیب الأرنؤوط، ج ۱۰ ص: ۱۸، مؤسسة الرسالة، بیروت ۱۹۹۳ منهاج السنة النبوية ج ا ص: ۵۲۰

[44] سابقہ مرجع: ،ج،ا ص، ۵۲۰